فلاح وخدمتِ انسانیت اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر*

Abstract:

The concept of success,which has been presented by the glorious Quran, is a comprehensive concept. It comprises of a person's worldy life as well as the life in the hereafter. According to the Quranic concept of success, a person who is saved from hell and enterd the garden of paradise is successful. In the light of Quranic commandments, it is the obligation of the state to fulfill the basic needs of its subjects so that the socity may prosper. It is the first and foremost duty of a state to make arrangements for clothing,food, education and employment for its people and take steps to save them from accidents. If these basic needs are fulfilled, a socity will become a welfare society.

فلاح کا مفہوم:

فلاح، فلح سے ماخوذ ہے جو کہ ف ل ح کے مادہ سے ہے جس کے معنی راہ پانا، حاصل کرنا اور کامیابی حاصل کرنا ہیں(۱)۔قرآن مجید میں ہے۔

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا﴾(۲)(وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنا تزکیہ کیا)۔

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴾(۳)(مومن کامیابی حاصل کر گئے)۔

قرآن مجید کا پیش کردہ تصورِ فلاح اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے اور اس فلاح کا تعلق صرف دنیاوی زندگی سے ہی نہیں بلکہ اُخروی زندگی پر بھی محیط ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾(۴)(جو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہوگیا)۔

---

* چیئرمین شعبہ سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔

فلاح انسانیت کے لیے غور وتدبر:

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''یایھا الناس قولوا لا الہ الّااللّٰہ تفلحوا)(۵)(اے لوگو! لا الہ الااللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی تصور کے مطابق اصل کامیابی وہ ہے جس سے دوزخ سے نجات اور جنت کا حصول ممکن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آیت ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى ﴾(۶)(وہ کامیاب ہوا جس نے تزکیہ اختیار کیا) میں کامیابی کو تزکیہ سے مشروط کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ایک منصب یــزکیھـم (۷) یعنی لوگوں کا تزکیہ کرنا بھی ہے تا کہ وہ ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل کر کے دنیاوی اور اُخروی فلاح وکامیابی حاصل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں انسانیت کی فلاح کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ آپ ﷺ ہر وقت اس غور وفکر میں رہتے کہ لوگوں کی بہتری اور بھلائی کیسے ہو؟ آپ ﷺ دنیا کی عارضی زندگی پر آخرت کو ترجیح دینے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کرتے۔ عام طور پر لوگوں کو ایمان کی ترغیب دیتے اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے کڑھتے رہتے۔ لوگوں کے احوال پر پریشان ہو جاتے۔ بلکہ بعض اوقات انہی سوچوں میں راتیں گزر جاتیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''قام حتی تورمت قدماہ''(۸)(آپ قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے)۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيْثِ أَسَفاً ﴾(۹)(شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے)۔

اسی طرح یہ بھی ارشاد ہے:

﴿طـه. مَـا أَنـزَلْـنَـا عَـلَيْـکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى. إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَى ﴾(۱۰)(طہٰ، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاددہانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے)۔

قبل از نبوت:

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں کوئی مضبوط سیاسی نظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے ایک طرح کا سیاسی وسماجی انتشار پایا جاتا تھا۔ اور لوگوں کی جان ومال محفوظ نہ تھے۔ باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ذرا ذرا سی

بات پر جنگ وجدال، خون ریزی اور ظلم وزیادتی کا بازار گرم ہوجاتا۔ اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش مشکل ہی سے ہوتی تھی۔ مکہ مکرمہ جیسے دارالامن اور مرکزی شہر کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔

دورِ جاہلیت میں لوگوں پر ظلم وستم، لوگوں کا حق کھانا بہت عام تھا۔ اس صورت حال کو بعض دردمند لوگوں نے بدلنا چاہا۔ مشورہ کے لیے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ظلم وزیادتی کو ہر قیمت پر روکا جائے گا۔ کسی بھی شخص پر چاہے وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو۔ ظلم ہونے نہ دیا جائے گا۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی جائے گی اور اسے اس کا حق دلوایا جائے گا اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے یہ معاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا تھا۔

آپ ﷺ کے دل میں لوگوں کی خیر خواہی، بھلائی اور مظلوم کی مدد کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ دورِ جاہلیت میں یہ معاہدہ "حلف الفضول" کے نام سے معروف ہے۔ جس کا ذکر سیرت کی تقریباً تمام کتب میں ہے(۱۱)۔

نبوت کے بعد بھی آپ ﷺ نے فرمایا اس معاہدے کے مطابق آج بھی اگر کوئی مجھے بلائے تو میں حاضر ہوں (۱۲)۔ بعد از نبوت آپ ﷺ نے نہ صرف چھوٹوں، بڑوں، والدین، اولاد، عورت، مرد، غلام، نوکر، غیر مسلم بلکہ حیوانوں تک کے حقوق مقرر فرمائے۔ ان سے بھی آپ ﷺ کے جذبہ خیر خواہی کا علم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

آپ ﷺ کو کسی نے دُکھ دیتے نہیں دیکھا بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہی خیر وبرکت کی باتیں کیں اور آپ ﷺ خدمت خلق کا باعث ہوئے۔ آپ ﷺ کا وجودِ مسعود ہی کائنات کے لیے رحمت تھا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۱۳) (اے نبی، ہم نے آپ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (۱۴) (دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمھارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے تمھاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے)۔

آپ ﷺ جب اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کے گھر گئے تو وہاں برکات نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ کو لے جانے والی سواری تیز ہوگئی۔ رضاعی والدہ کے ہاں آپ ﷺ دائیں طرف سے دودھ پیتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ نے

بائیں طرف سے دودھ نہ پیا کہ وہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی کا حق تھا۔ اسی طرح ان کے گھر کی بکریاں چرنے جاتیں تو سیر ہو کر آتیں۔ آپ ﷺ سے پہلے اس طرح سے نہ تھا(۱۵)۔

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کے متعلق ٹھیک کہا:

؎ وابیض یستسقی الغمام بوجھه ثمال الیتامی عصمة للارامل (۱۶)

(وہ سفید رنگ والے جن کے چہرے کی وجہ سے بادل سے بارش طلب کی جاتی ہے، یتیموں کے خیر خواہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں)۔ آپ ﷺ کا بچپن بھی لوگوں کی خیر خواہی میں گزرا۔

آپ ﷺ نے تجارت میں بھی لوگوں کی خیر خواہی کا پہلو سامنے رکھا۔ کبھی کسی کے سامنے جھوٹ نہیں بولا۔ کسی پر زیادتی نہ کی۔ مال میں کوئی نقص ہوتا تو بتا دیتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی تجارت کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں بھی آپ ﷺ مال کے بارے میں ہر لحاظ سے وضاحت کرتے رہے۔

جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا تو حضرت خدیجہؓ کے ریمارکس آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں یہ تھے:

''کلا واللّٰہ مایحزنک اللّٰہ ابدا، انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق ''(۱۷)(ہرگز نہیں اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی غم زدہ نہ کرے گا بے شک آپ صلہ رحمی سے کام لیتے ہیں لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں نادار کو کما کر دیتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں)۔

انسانی فلاح کا عملی اظہار خدمت خلق کی شکل میں رُونما ہوتا ہے اور اس بارے میں تعلیمات نبوی وسیرت طیبہ ہمارے لیے بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فلاح وخدمت انسانیت کے لیے سنہری اُصول متعین کیے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''خیر الناس من ینفع الناس ''(۱۸)(تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے)۔

نیز فرمایا: ''الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق إلی اللّٰه من أحسن إلیٰ عیاله ''(۱۹)(مخلوق اللہ کا عیال (کنبہ) ہے۔ پس اللہ کے نزدیک مخلوق میں سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے عیال کے لیے بہتر ہو)۔

مزید براں اسی رویہ کو پروان چڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے فرمودات ہماری زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں: ''من کا ن فی حاجة اخیه کان اللّٰه له فی حاجته ''(۲۰)(جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے)۔

''من کان فی عون اخیه کان اللّٰه له فی عونه ما کان العبدفی عون ا خیه''(۲۱)(جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کے مدد کرتا رہے گا۔ جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے گا)

خدمت خلق کے یہ سنہری اصول فلاح بنی آدم کا حقیقی مظہر ہیں، جن سے قوموں کی زندگیوں میں معاشی، معاشرتی، سماجی کامیابیاں رونما ہوتی ہیں۔خدمت خلق کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔انسان کی اپنی ذات،عزیز و اقارب، پڑوسی، دوست احباب،عورت،غلام،قیدی، ذمی، غیر مسلم، جانور حتیٰ کہ فصلوں تک کے حقوق متعین کر کے دراصل خدمت خلق کا درس دیا گیا ہے۔ان میں انفرادی اور اجتماعی فلاح کا راز مضمر ہے۔تمام ادیان میں لوگوں کی بھلائی کا تصور ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴾(۲۲)(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی اور مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں)۔

اب ہم فلاح انسانی کے اجتماعی اصولوں کو زیر بحث لاتے ہیں جن پر سیرت طیبہ کی روشنی میں عمل پیرا ہونے سے ہی انسانی فلاح کا متضمن ہونا ممکن ہو سکے گا۔مثلاً ارشاد نبوی ہے:

''عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه للمؤمن على المؤمن ست خصال يعوده اذا مرض ، و يشهد اذا مات ، و يجيبه اذا دعاه و يسلم عليه اذا لقيه و يشمته اذا عطس و ينصح له اذا غاب او شهد'' (۲۳)(حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے مومن پر چھ حقوق ہیں۔ جب وہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اس کی عیادت کرتا ہے اور جب وہ فوت ہوتا ہے تو اس کے

جنازہ میں حاضر ہوتا ہے اور جب وہ دعوت دیتا ہے تو اسے قبول کرتا ہے اور جب اسے ملتا ہے تو اس کو سلام کرتا ہے اور جب اسے چھینک آتی ہے تو اس کا جواب دیتا ہے اور اس سے خیر خواہی کرتا ہے چاہے وہ حاضر ہو یا غائب)۔

اس حدیث سے مجموعی طور پر ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا سبق ملتا ہے جس میں آپس کے تعلقات میں ایک دوسرے کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ سیرت طیبہ سے ان تمام قیمتی نصائح کی تصویریوں سامنے آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**إنما الدين النصحية: قالوا لمن يا رسول الله؟ قال: لله ولرسوله ولكتابه ولأئمه المسلمين وعامتهم**''(۲۴)(دین خیر خواہی کا نام ہے صحابہ کرام ؓ نے پوچھا کس کے لیے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عام لوگوں کے لیے)۔

والدین کی خدمت:

دنیاوی رشتوں میں انسان کی بھلائی کرنے کے سب سے زیادہ مستحق والدین ہیں۔ اسلام نے ان سے خیر خواہی اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے:

﴿**وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً**﴾(۲۵)(تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو''پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح رحمت اور شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا'')۔ ماں کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

''**الجنت تحت اقدام الأمهات**''(۲۶)(جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے)۔

والد کی اطاعت اور احترام کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

''رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد''(۲۷)(والد کی خوشی میں رب کی خوشی ہے اور والد کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے)۔

عزیز واقارب اور بے کس لوگوں کی خدمت:

قرآن مجید میں ہے کہ:﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾(۲۸)(رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق)۔

اس طرح اور بے سہارا لوگوں کا خیال رکھنے کی تاکید ہے۔اسلام ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کا درس دیتا ہے۔خونی رشتہ داروں کے علاوہ باقی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے قبل بھی یہ صفت تھی۔

اسلام میں ہر مستحق کی خدمت ضروری ہے۔رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کے حوالے سے سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذى الرحم ثنتان صدقة وصلة''(۲۹)(کسی مسکین کو(جس سے رشتہ نہ ہو)صدقہ دینا محض ایک صدقہ ہے لیکن وہی صدقہ کسی رشتہ دار کو دیا جائے تو یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی)۔

گویا رشتہ دار پر خرچ کرنا دوگنا ثواب کا باعث ہے۔ایک پہلو سے یہ ایک عام صدقہ ہے جس طرح دوسرے صدقات ہیں۔دوسرے پہلو سے یہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ہمسایہ سے معاشرتی زندگی میں الگ تھلک نہیں رہ سکتا ان کے حقوق اور لوگوں سے زیادہ ہیں۔ہمسایہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ رشتہ دار۔ ۲۔ جس سے صرف ہمسائیگی کا تعلق ہو۔

۳۔ جس کا اتفاق سے یا کبھی بھی ساتھ ہو جاتا ہے۔

سکول، کالج اور دفتر میں جن لوگوں کا ساتھ ہو وہ بھی ایک طرح کے ہمسایہ ہیں۔

......اسلام میں انسان کے ساتھ کسی بھی نوعیت کا تھوڑی بہت دیر کے لیے بھی ساتھ ہو جائے تو اس کا حق قائم ہو جاتا ہے۔اگر یہ رفاقت مستقل ہو تو اس کا حق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مازال جبریل یوصینی بالجار حتیٰ ظننت انه سیورثه''(۳۰)(حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید فرماتے تھے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وراثت میں اس کا حصہ مقرر کردیں گے)۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ صرف اپنوں کو ہی نہیں نوازتا بلکہ اپنے نہ ماننے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے۔جس طرح ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال کے ساتھ آپ ﷺ نے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا۔نیز فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ جب آپ ﷺ اپنے لشکروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے تو ابوسفیان جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، بہت زیادہ خوف زدہ تھے وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے۔آپ ﷺ نے نہ صرف انہیں معاف کیا بلکہ اعلان کردیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کے لیے بھی معافی کا اعلان ہے:

''من دخل دار أبی سفیان فهو اٰمن''(۳۱)(جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا اس کو امن ہوگا)۔

عام مسلمانوں کی بھلائی اور خدمت:

عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''من فرج عن مسلم کربة من کربات الدنیا فرج الله عنه کربات من کربات یوم القیامة''(۳۲)(جو آدمی کسی مسلمان سے دنیا کی کسی سختی کو دور کرتا ہے تو اللہ قیامت کی سختیوں سے اس سختی اور پریشانی کو دور کریں گے)۔

بلکہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ انسان کی ضرورت اور حاجت کو اپنی ضرورت اور حاجت قرار دیتے ہیں۔''عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ: ان الله عزّو جلّ یقول یوم القیامة:''یا ابن آدم! مرضت فلم تعدني ،قال: یارب !أعودک وأنت رب العالمین؟ قال:أما علمت أن عبدي فلاناً مرض فلم تعده، أماعلمت انک لوعدته لوجدتني عنده؟ یا ابن آدم! استطعمک فلم تطعمني، قال: یارب!(و) کیف أطعمک وأنت رب العالمین؟ قال: أما علمت استطعمک عبدی فلان فلم تطمه؟ أما أنک لوأطعمته لوجدت ذلک عندي؟ یا ابن آدم! استسقیتک فلم تسقني، قال یارب! کیف أسقیک وأنت رب العالمین ؟ قال استسقاک عبدي فلان فلم تسقه، أماعلمت لواسقیته وجدت ذلک عندي''(۳۳)(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے

ہیں ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:’’قیامت کے روز اللہ عزوجل فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تھا اور تو نے میری عیادت نہیں کی ۔وہ کہے گا اے رب، میں آپ کی عیادت کیسے کرتا آپ تو سارے جہان کے رب ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی ۔فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (پھر فرمائے گا) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، اور تو نے مجھے کھلایا نہیں ۔وہ کہے گا اے رب! میں آپ کو کیسے کھلاتا آپ سارے جہاں کے رب ہیں ۔وہ کہے گا کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھلایا نہیں، کیا تجھ کو نہیں معلوم تھا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا (کھلانے کے بدلے) تو اس کو میرے پاس پاتا ۔اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے پلایا نہیں ۔(بندہ کہے گا) اے رب! میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو سارے جہاں کے رب ہیں ۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، اور تو نے اسے پلایا نہیں، کیا تجھ کو معلوم نہیں تھا کہ اگر تو نے اسے پانی پلایا ہوتا تو اس کی جزا میرے پاس پاتا) ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں دوسروں کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہے ۔

مساکین وفقراء کی خدمت:

مسکین اور فقیر کو کھانا کھلانا بھی کارِثواب ہے ۔مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ انہیں اس حالت سے نکالیں اور ان کے فقر واحتیاج کو مستقل طور پر ختم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ معاشرے میں باوقار اور اطمینان کی زندگی گزار سکیں ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’**الساعی علی الأرملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل اللّٰه او القائم اللیل، الصائم النهار**‘‘ (۳۴) (بیواؤں اور مسکینوں کے لیے سعی وجہد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی مانند ہے) ۔

رسول ﷺ نے یہاں تک فرمایا:’’**انما ترزقون وتنصرونکم لضعفائکم**‘‘ (۳۵) (تمھارا رزق اور تمھاری مدد اللہ کی طرف سے ضعفاء کی وجہ سے ہوتی ہے) ۔

قرآن نے اہل ایمان کی یہ صفات بیان کی ہیں:

﴿**وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لا نُرِيدُ**

مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوراً .إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْماً عَبُوساً قَمْطَرِيراً ﴾(۳۶)(اوراللہ کی محبت میں مسکین اوریتیم اورقیدی کوکھانا کھلاتے ہیں (اوران سے کہتے ہیں کہ) ''ہم تمھیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں،ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جوسخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا'') اپنی ضرورتوں پر ترجیح دے کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا مومن کی صفت ہے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾(۳۷)(وہ دوسروں کواپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ وہ خود فاقہ سے ہوں اور جواپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا سمجھو کہ وہی کامیاب ہے)۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں پریشان حال اور بھوکا ہوں ۔یہ سن کر رسالت مآبؐ نے بعض ازواج مطہرات کو اطلاع دی اورفرمایا کہ اگر کچھ کھانے کوموجود ہوتو بھیجیں۔جواب ملا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے ہاں سے معلوم کیا مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کوئی ہے جوآج رات اسے اپنا مہمان بنالے؟ ایک انصاری نے کہا کہ میں اسے ساتھ لے جاتا ہوں۔وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس مہمان کوساتھ لے کر گھر آئے اوراہلیہ سے کہا کہ کچھ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی ضیافت کروں؟ اہلیہ نے جواب دیا کہ بچوں کا کھانا ہے،شوہر نے کہا کہ ان کوکسی طرح بہلا کر سلا دینا اور جب مہمان کھانا کھانے بیٹھےتو چراغ بجھادینااور یہ تاثر دینا کہ میں اس کے ساتھ کھا رہا ہوں۔چنانچہ جب کھانا کھانے بیٹھے،مہمان نے کھانا کھالیااوران دونوں نے بھوکے رہ کر رات گزاری۔جب صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئےتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم دونوں میاں بیوی نے رات جومہمان نوازی کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی ہے''۔آپ نے اس آیت ویؤثرون علی انفسھم کی تلاوت فرمائی(۳۸)۔

بیواؤں اورمسکینوں کے لیے دوڑ دھوپ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جوان کی فلاح وبہبود کے لیے کی جائیں۔ان میں ان کی ضروریات کی تکمیل ان کے لیے روزگار فراہم کرنااوران کوسماج میں باوقار زندگی گزارنے کے قابل بنانا وغیرہ۔سب کچھ آجاتا ہے۔

خدمت خلق کا جذبہ بذریعہ تعاون:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بہتر اور افضل عمل کون سا ہے؟۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایمان باللہ و جھاد فی سبیلہ، قلت: فأی الرقاب افضل؟ قال: أغلاہ ثمنا و انفسھا عند أھلھا، قال قلت: فإن لم أفعل، قال، تعین ضائعا او تصنع لاخرق، قال: فان لم افعل، قال: تدع الناس من الشر فانھا صدقہ تصدق بھا علی نفسک'' (۳۹) (اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد۔میں نے دریافت کیا کس قسم کے غلام آزاد کرانا زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلام جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو مالک کے نزدیک زیادہ نفیس اور عمدہ ہو۔میں نے کہا اگر میں اس کی طاقت نہ رکھتا ہوں تو فرمایا: اس شخص کی مدد کر جو ضائع ہو رہا ہو (غربت اور مفلسی کی وجہ سے) یا جو شخص اپنا کام نہ کر سکتا ہو اس کی مدد کرو۔میں نے کہا اگر میں یہ بھی نہ کر سکتا ہوں تو فرمایا: لوگوں کو اپنے شر سے بچا یہ بھی ایک صدقہ ہے جو تم اپنے نفس پر کرو گے)۔

اس حدیث میں ایمان باللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت کے بعد جو شخص غربت میں مبتلا ہو اور گزران کی صورت نہ ہو اس کی مدد ضرورت کے مطابق کی جائے اور مدد اپنی حیثیت کے مطابق کی جائے۔

مظلوم کی مدد کرنا:

اسلام میں خدمت خلق یہ ہے کہ جن افراد پر ظلم ہو رہا ہو ان کی مدد کی جائے۔حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا۔ان میں ایک بات یہ تھی کہ مظلوم کی مدد کی جائے (۴۰)۔

مظلوم کی مدد کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔قانونی بھی اور اخلاقی بھی، معاشی حالت کا ٹھیک کرنا بھی اس میں داخل ہے اور نفسیاتی طور پر اسے یہ یقین دلانا بھی اس میں آتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں یکا و تنہا نہیں ہے اس پر ظلم ہو تو اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی مشکلات میں اس کا ساتھ دیا جائے گا۔

یتیم پروری:

اسلام سے قبل لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔قرآن مجید میں یتیموں کے مال کو غصب کرنے والوں کو اس طرح تنبیہہ کی گئی ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرا ﴾(۴۱)(جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے)۔حدیث نبوی میں ہے: **كافل اليتيم لهٗ أو لغيرهِ انا فهو كهاتين فى الجنة** (۴۲)(یتیم کی یا کسی غیر کی کفالت کرنے والا، میں اور وہ جنت میں ایک ساتھ ہوں گے)۔

ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**انا وكافل اليتيم فى الجنة هكذا وقال باصبعه السبابة والوسطى**'' (۴۳)(میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ہونگے درمیانی اور شہادت کی انگلی ملا کر فرمایا)۔

قرض دینا، قرض معاف کرنا:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾(۴۴)(کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے)۔

حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔تین آدمیوں کا واقعہ آتا ہے۔جن میں سے ایک اندھا، دوسرا کوڑھ کے مرض میں مبتلا جبکہ تیسرے کے سر پر بال نہیں تھے۔جبرائیل امین اللہ کے حکم کے مطابق ان تینوں کے پاس تشریف لائے اور ان سے ان کی خواہش پوچھی۔تینوں نے اپنی مرض کے متعلق شکایت کی تو جبرائیل امین نے اللہ کے حکم کے مطابق ان تینوں کو ان کے مرض سے چھٹکارہ دلوادیا۔اس کے ساتھ جبرائیل امین نے ان کی خواہش بھی پوری کردی۔ان کو کچھ نہ کچھ مال دلوادیا۔کچھ عرصے کے بعد اس تھوڑے سے مال کی بدولت یہ تینوں آدمی اپنے وقت کے مشہور و معروف تاجر بن گئے اور امیروں میں ان کا شمار ہونے لگا۔ایک دن جبرائیل امینؑ انسانی شکل میں ان کی مانند بیماری کی حالت میں ان کے سامنے گئے یعنی گنجے کے سامنے گنجا بن کر مال طلب کیا تو اس نے دینے سے انکار

کر دیا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ یہ ہمارے آباد واجداد کی دولت ہے اسے ہم کیوں دیں؟۔اسی طرح وہ کوڑھے کے پاس گئے تو اس نے بھی یہی طرز اختیار کیا۔جب تیسرے اندھے کے پاس گئے تو اس سے بکریاں مانگیں جو اس کو دی تھیں تو اس نے کہا کہ جتنی چاہے آپ لے لیں۔آپ کی آمد باعث سعادت ہے میں تو اندھا تھا اللہ کا کرم ہوا ہے۔اس کے نتیجہ میں ان دو آدمیوں سے ان کے دولت بھی چلی گئی اور مرض بھی واپس آ گیا جب کہ تیسرا آزمائش سے بچ گیا(۴۵)۔

حدیث میں ایک شخص کے متعلق ہے کہ لوگوں کے قرض معاف کرتا تھا اور کہا کرتا تھا ''**تجاوزوا عنه لعل الله يتجاوز عنا فلقى الله فتجاوز الله عنه** ''(۴۶)(اسے معاف کر دو شاید اللہ ہمیں معاف کر دے چنانچہ اللہ نے اسے معاف کر دیا)۔

جب قرآن مجید کی آیت ﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾(۴۷)نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا باغ اللہ کے لیے وقف کر دیا(۴۸)۔

عہدِ نبوی میں فلاحی سرگرمیوں کا طائرانہ جائزہ:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی سرگرمیاں:

قوموں کو اس وقت عروج حاصل ہوتا ہے جب علم میں ان کا مقام بلند ہوتا ہے۔علم کی قدر و منزلت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو علم کی طرف راغب کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اِرشادات ہیں جن سے علم کی اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**طلب العلم فريضة على كل مسلم**''(۴۹)(علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

مسلمان پر علم فرض قرار دیا تا کہ ایک مسلم دنیا کے رائج علوم میں ماہر ہو کر اپنی دنیوی اور اُخروی ہر دو زندگی کو آسان بنا سکے اور اپنے ملک اور قوم کی فلاح و کامیابی کے متعلق سوچے۔اللہ تعالی علم حاصل کرنے پر مسلمان کی حوصلہ افزائی یوں فرماتا ہے:﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء ﴾(۵۰)(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں)۔

پھر قرآن مجید مزید اہمیت علم کو عالم کو غیر عالم پر فضیلت کے انداز میں بیان کرتا ہے:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾(۵۱)(ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں)۔

سیدنا صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں علم حاصل کرنے آیا ہوں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فان الملائکۃ تضع اجنحتھا لطالب العلم رضی بما یصنع (۵۲)(بے شک علم حاصل کرنے والے کے لیے فرشتے اپنے پَر بچھا دیتے ہیں اس چیز سے خوش ہو کر جو وہ کرتا ہے)۔

آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''یا زید، تعلم لي کتاب یھود، فاني واللہ ما آمن یھود علی کتابی''(۵۳)(اے زید! یہود کی کتابت سیکھ لو اللہ کی قسم میں اپنے خطوط کے بارے میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں)۔

اصحاب صفہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا تعلق بھی علم و عمل کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔مسجد نبوی میں دو مجالس میں سے علمی مجلس کو آپ ﷺ کا پسند کرنا بھی اہمیت علم کو واضح کرتا ہے۔دونوں کی تعریف فرمائی ذکر والی اور علم والی لیکن خود علمی مجلس میں تشریف فرما ہوئے(۵۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میرے رب نے مجھے بہترین علم سکھایا اور بہترین ادب سکھایا''(۵۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباس جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کرتے ان کا بہت احترام کرتے،ایک دفعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب کو تھام لیا انہوں نے فرمایا اے ابن عم رسول کیا کرتے ہو؟ تو فرمایا ہمیں ایسے علماء و کبراء سے اس طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے(۵۶)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''علم حاصل کرو اور اس کے لیے سکون و وقار بھی سیکھو اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو ان کا احترام کرو اور متکبر علماء میں سے نہ بن جاؤ(۵۷)۔

ابن وہب فرماتے ہیں:''میں نے امام مالک سے ادب سے افضل علم حاصل نہیں کیا''(۵۸)۔

امام مالک فرماتے ہیں:''جو حدیث طلب کرے اس کے لیے وقار،سکون اور خشیت کا ہونا لازمی ہے۔اور پہلے لوگوں کے آثار کی اتباع کرو''(۵۹)۔صفہ کے علاوہ مختلف مقامات پر آپ ﷺ نے تعلیمی مراکز قائم فرمائے

تا کہ لوگ علم حاصل کریں۔صفہ گویا اسلام کی پہلی اقامتی یونیورسٹی تھی۔

۲۔ شفا خانوں کا قیام:

اسلام سے قبل عرب میں علاج کرانا ایک لحاظ سے ہر شخص کا ذاتی یا زیادہ سے زیادہ خاندانی مسئلہ تھا۔ جسے طاقت اور وسائل کے مطابق حل کیا جاتا تھا۔شفاخانوں یا ہسپتالوں کا وجود نہیں تھا۔لیکن اسلام کی آمد کے بعد شفاخانوں کی بنیاد پڑ گئی۔صحابیہ حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبوی کے پاس ایک خیمہ لگا رکھا تھا جس میں وہ محض ثواب کی خاطر جنگ میں زخمی ہونے والے ان افراد کی مرہم پٹی اور علاج کرتی تھی۔جن کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہ تھا۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم سے کہا کہ وہ انہیں اس خیمہ میں رکھیں تا کہ وہ قریب رہیں اور عیادت کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسانی ہو(۶۰)۔

۳۔ مساجد کی تعمیر:

مساجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی جاتی ہے۔اس کی تعمیر براہِ راست عبادت میں تعاون ہے۔ لیکن دوراول میں مساجد عبادت کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیمی،سماجی اور سیاسی مراکز کی بھی حیثیت رکھتی ہیں۔ان کی یہ حیثیت اب بہت کچھ بدل چکی ہے۔اس لیے رفاہی خدمات کے ذیل میں ان کا ذکر ضرور کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی مسجداً یبتغی بہ وجہ اللّٰہ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ“ (۶۱) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اللہ کی رضا کی طلب میں کوئی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس طرح کا گھر جنت میں بنائے گا)۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر مسجد بہت کار ثواب ہے۔

مسجد ایک بہت بڑا رفاہی ادارہ ہے۔جس میں مسلمانوں کی عبادات وملاقات سے لے کر معاملات کے فیصلے تک کیے جاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے،لوگوں سے ملتے ان کے حالات معلوم کرتے بعض فیصلے کرتے اور بعد ازاں گھر تشریف لے جاتے۔مسجد کو ہر جگہ تعلیمی مرکز کی حیثیت ہونی چاہیے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مسجد نبوی میں صفہ ایک ایسا ادارہ تھا جہاں خوراک اور لباس سے غریبوں کی مالی اعانت کی جاتی تھی۔یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ مغربی ممالک میں مساجد اخلاقی اداروں کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔عبادت،تعلیم وتعلم اور شادی بیاہ جیسے فنکشنز وہاں سرانجام پاتے

ہیں۔

۴۔ سرائے اور قیام گاہیں تعمیر کرنا:

رفاہی خدمات میں سے ہوٹلوں اور مسافر خانوں کی تعمیر ہے۔ جہاں مسافروں کو بہتر سہولتیں حاصل ہوں۔ اور دیس سے دوری کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔ جس سے اس کا اجر و ثواب اور فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''ان مما یلحق المؤمن من علمه وحسناته بعد موته علما علّمه ونشره، وولدا صالحا ترکه، ومصحفا ورثه، أو مسجدا بناه، أوبیتاً لا بن السبیل، أونهرا اجراه، أوصدقة أخرجها من ماله فی صحته وحیاته یلحقه بعد موته'' (۶۲) (مومن کے مرنے کے بعد بھی اس کے جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اسے پہنچتا رہتا ہے ان میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں۔ وہ علم جس کی اس نے تعلیم دی اور پھیلایا، نیک اولاد جو اس نے چھوڑی قرآن مجید جس کا اس نے اپنے بعد کسی کو وارث بنایا یا مسجد جو اس نے بنوائی یا مسافروں کے لیے کوئی مکان تعمیر کرایا یا نہر جو اس نے کھدوائی یا وہ صدقہ جو اس نے اپنے مال سے صحت کی حالت میں اپنی زندگی میں نکالا۔ اس کا ثواب اسے اس کے مرنے کے بعد بھی ملے گا)۔

اس حدیث میں رفاہ عامہ کے بعض خاص کاموں کا ذکر ہے۔ اور انہیں صدقاتِ جاریہ کہا گیا ہے۔ ان میں مسافروں کے لیے مکان اور سرائے کی تعمیر بھی ہے۔ ایک اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلاثه من صدقة جارية اوعلم ينتفع اوولدصالح يدعوله'' (۶۳) (جب انسان انتقال کر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین کے صدقہ جاریہ، یا وہ علم جو اس کو فائدہ دے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا گو ہو)۔

۵۔ کنویں کھدوانا:

پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی صاف پانی کی فراہمی اور ضرورت کے مطابق فراہمی کا بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس کی طرف جس طرح توجہ دلائی ہے۔ اس کا اندازہ اوپر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے۔ جس میں بندگان خدا کے لیے نہر کی تعمیر کو صدقہ جاریہ کہا گیا ہے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انھوں نے چاہا کہ ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کریں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ سب سے اچھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کنواں کھدوانا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ماں کے نام سے کنوان کھدوادیا(۶۴)۔

۶۔ فلاح انسانیت کے دیگرامور:

(i) ذرائع آمدروفت کی درستی:

کسی قوم یا ملک کی ترقی میں آمدورفت کے ذرائع کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ جہاں راستے صاف ستھرے اور محفوظ و مامون ہوں۔ سفر کی دشواریاں کم سے کم تر ہوں اور زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور آسانیاں پائی جائیں۔ وہاں ترقی کے مواقع بھی اسی تناسب سے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ پُرخطر راستوں کو سفر کے قابل بنایا جاتا ہے۔ سفر کو حادثات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مسافروں کو سہولت اور آرام پہنچایا جاتا ہے۔

اسلام نے رفاہی خدمات کی ذمہ داری ریاست کے افراد پر ڈالی ہے اور ان افراد کو کہا گیا ہے کہ وہ راستوں کو صاف رکھیں اور ان پر جو رکاوٹیں ہوں انہیں دور کریں۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت معروف ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**الایمان بضع وسبعون اوبضع وستون شعبة فافضلها قول لا الہ الا اللّٰہ وادنا ها اما طة الاذیٰ عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان** ''(۶۵)(ایمان کی ستر سے اوپر یا ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں ان میں سے بہتر **لا الہ الااللّٰہ** ہے اور ادنی شاخ راستہ سے تکلیف کو دور کرنا ہے۔ حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے)۔

صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ نے تاکید کی کہ وہ راستے کو اس کا حق دیں۔ تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا راستے کا حق کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا'' آنکھوں کو نیچے رکھنا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا اور بھٹکے ہوئے کی راہنمائی کرنا''(۶۶)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**لقد رایت رجلاً یتقلب فی الجنة فی شجرة قطعها من ظهرا لطریق کانت توذی الناس** ''(۶۷)(میں نے ایک شخص کو جنت میں پھرتا دیکھا اس وجہ سے کہ اس نے راستہ میں موجود ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو تکلیف دیتا تھا)۔

(ii) درخت لگانا:

فلاح انسانیت میں سے لوگوں کے گزرنے میں آسانی پیدا کرنا بھی شامل ہے۔گرمیوں میں سایہ کی سہولت درخت لگا کر مہیا کرنا، ماحول کو آلودہ ہونے سے بچانے کے لیے راستے کے کناروں پر درختوں کا لگانا بھی خلق خدا کی بھلائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''مامن مسلم يغرس غرسا اويزرع زرعا فيا كل منه طير اوانسان اوبهيمة الاكان له به صدقة''(٦٨)(کوئی مسلمان جو درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے تو اس سے پرندے یا انسان یا جانور کھاتے ہیں تو وہ اسکے لیے صدقہ ہے)۔

یہ صدقہ جاریہ ہی کی ایک صورت ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے لگائے ہوئے درخت سے لوگ منتفع ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''إذا مات الانسان إنقطع عمله إلامن ثلاثة. من صدقة جارية أوعلم ينتفع به أو ولدصالح يدعو له''(٦٩)(جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں، صدقہ جاریہ، علم نافع اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہتی ہے)۔

حضرت سعید بن ابی بردۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ ہے۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا اگر وہ صدقہ کو نہ پاسکے، آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں سے کمائے اور اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے۔عرض کیا گیا اگر یہ بھی نہ کرسکے، فرمایا کسی مجبور اور پریشان آدمی کی مدد کرے پوچھا یہ بھی نہ کرسکے، فرمایا نیکی کا حکم دے۔عرض کی یہ بھی نہ ہوسکے تو فرمایا برائی سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے۔(٧٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''خیرات کرنے میں جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگے بڑھنے نہیں پاتی''(٧١)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑے اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ اس کی حاجت میں رہتا ہے۔اور جو مسلمان کسی مسلمان کی سختی

دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا۔ اور جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا (۷۲)۔

(iii) اپنی پسند مسلمان بھائی کے لیے پسند کرنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ ایمان دار نہیں بن سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے۔ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے“ (۷۳)۔

(iv) لڑائی جھگڑا کی صورت میں قطع تعلقی کی مدت:

حضرت ابوایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ بات کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ اس طرح کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر منہ پھیر لے اور وہ ادھر منہ پھیر لے۔ سنو! ان دونوں میں اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کرے (۷۴)۔

(v) اکرام مومن:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے فرمایا:

”ماأطيبک وأطيک ريحک وأعظم حرمتک والذی نفس محمد بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منک“ (۷۵) (اے کعبہ تو کتنا پاک ہے اور تیری کیا عمدہ خوشبو ہے اور تیری کتنی عزت اور حرمت ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے مومن کی عزت اللہ کے نزدیک تجھ سے کہیں بڑھ کر ہے)۔

(vi) غیر مسلموں سے تعاون:

انسانوں کی خدمت اور ان کی فلاح و بہبود کے کام میں غیر مسلم تنظیموں اور اداروں کے ساتھ تعاون میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اس سلسلہ میں قرآن مجید نے یہ اصولی تعلیم دی ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (۷۶) (نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کی سزا بہت سخت ہے)۔

(vii) ریاست سے تعاون:

خدمت خلق کا سب سے بڑا ادارہ ریاست ہے۔ افراد اور تنظیمیں ہزار طاقت ور سہی لیکن ان کی طاقت بہرحال محدود ہوتی ہے۔ ان کو اتنے وسائل و ذرائع حاصل نہیں ہوتے کہ ہر پہلو سے معاشرے کی خدمت کرسکیں اور اس کی تمام مشکلات کو حل کردیں۔ ریاست غیر معمولی وسائل و ذرائع کی مالک ہوتی ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرسکتی ہے۔ اس لیے ایک فلاحی ریاست کی یہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ پورے معاشرے کی تعمیر اس ڈھنگ سے کرے کہ کوئی بھی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور اسے وہ تمام سہولتیں اور مواقع حاصل ہوں جو اس کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ریاست اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کرے تو اس کا وجود بے معنی ہے لیکن ریاست اتنی بڑی ذمہ داری سے اسی وقت سبک دوش ہوسکتی ہے جبکہ افراد اس سے تعاون کریں۔ محض ریاست کی کوشش سے معاشرہ غربت، افلاس، جہالت، بے روزگاری جیسی مصیبتوں سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر فرد میں معاشرہ کو پستی سے نکالنے اور اوپر اُٹھانے کا جذبہ پایا جائے۔ ریاست اور افراد کے اشتراک وتعاون ہی سے خدمت خلق کا حق ادا ہوسکتا ہے اس کے بغیر یہ کام ہمیشہ ادھورا اور ناقص ہی رہے گا۔ رسول اللہ نے فرمایا:

''**من ترک مالاً فللورثة، ومن ترک کلا فالینا**'' (۷۷) (جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے اور جس نے قرض چھوڑا وہ ہم پر ہے)۔

احتساب کے بارے میں حضور ﷺ کی انتظامی تدابیر ونگرانی:

جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک غلہ کے ڈھیر میں دست مبارک ڈالا تو وہ گیلا تھا۔ غلہ والے سے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا بارش کا پانی پہنچ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیں (کہ وہ بھیگا ہوا ہے) نیز فرمایا:

''**من غش فلیس منا**'' (۷۸) (جو شخص دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے نگران مقرر فرمادیئے تھے کہ جو شخص شہر سے باہر ہی (سوار) غلہ (اور دیگر اشیاء) کو فروخت کرے اس کو روکیں اور تاکید کریں کہ وہ بازاروں میں لاکر بیچے، اسی طرح بغیر ناپ وتول کے اندازہ کرکے غلہ فروخت کرنے کی بھی ممانعت فرمائی تھی اور حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو مکہ کے بازاروں کا عامل بنایا

تھا(۷۹)۔آپ ﷺ نے دھوکہ دہی کی تمام صورتوں کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا: **نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر** (۸۰)(رسول اللہ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا)۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں فلاح انسانیت کے لئے مالی تعاون:

اسلام نے فلاح انسانی کے ضمن میں ایک دوسرے کی مالی معاونت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھا ہے۔ جیسا کہ دوسروں کی مدد کے بارے صحابہ کرام ﷡ کے استفسار پر حکم الٰہی صادر ہوا:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۸۱)(آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو کہ جو زائد از ضرورت ہو)۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں ایک دوسرے کی مالی اعانت کرنے کی بہت تاکید کی۔زکوٰۃ کے مصارف کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (۸۲)(بے شک زکوۃ مفلسوں محتاجوں اور (زکوۃ) کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دل جوئی کرنا ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو۔یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

پھر اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (۸۳)(اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محتاج کا حق ہے)۔

قرآن مجید نے زکوٰۃ کو اغنیاء کے مال کو پاک کرنے کا ذریعہ بیان فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ (۸۴)(اے نبی ﷺ تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**تؤخذ من أغنیاء ھم وترد ألی فقراء ھم**''(۸۵)(زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء کو دی جاتی ہے)۔

فلاحِ معاشرہ کے لیے دولت کی تقسیم کا طریق کار:

سیرت طیبہ کی روشنی میں فلاح معاشرہ کی خاطر دولت کی بھی ایک منصفانہ تقسیم کی گئی ہے اور اس منصفانہ تقسیم کے تحت دولت کسی خاص طبقہ یا چند طبقوں میں ہی سمٹ کر نہیں رہ جاتی بلکہ وہ اجتماعی مفاد اور اجتماعی عدل کے عملی مقاصد پورے کرتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿کَیۡ لَا یَکُونَ دُولَةً بَیۡنَ الۡأَغۡنِیَاءِ مِنكُمۡ﴾ (۸۶) (دولت تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتی رہے)۔

اسلامی معاشرے میں چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ اس میں سودی نظام کو ختم کیا جائے۔

۲۔ نظام زکوٰۃ کا حقیقی نفاذ کیا جائے پھر زکوٰۃ کے علاوہ دیگر محاصل کی آمدن کے علاوہ اسلامی ریاست کو اپنے شہریوں پر مزید محاصل عائد کرنے کا بھی اختیار ہے تاکہ فلاح انسانی کے طور پر کام میں آسکیں ،تمام علماء نے ان زائد ٹیکسوں کے نفاذ کو چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔

۱۔ لوگوں کی ضرورت سے زائد ٹیکس نہ ہو۔

۲۔ ایسا ٹیکس نہ لگایا جائے جو ٹیکس دہندہ کے لیے بظاہر نا قابل برداشت ہو۔

۳۔ جو محاصل وصول کیے جائیں ان کے خرچ کرنے میں اسراف اور بددیانتی نہ کی جائے۔

۴۔ بڑے بڑے بیوروکریٹس اور سربراہِ مملکت حکومتی اخراجات کم کر کے غریبوں پر رحم وشفقت والا معاملہ کریں۔

۵۔ اسلام کے نظام وراثت کو نافذ کیا جائے۔خصوصاً عورتوں کو بطور ماں، بہن اور بیٹی اس کا حق دیا جائے۔(۸۷)

محدث کبیر امام ابن حزم" المحلیٰ "میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں یا جن کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غذا ہے وہ ان لوگوں کو لوٹا دے جن کے پاس غذا نہیں ہے(۸۸)۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زائد چیز رکھنے والے کا حق نہیں ہے بلکہ یہ اس کے لیے ہے جس کو حق دار سمجھ کر دے دی جائے۔

فقراء سے محبت اور ان کی معاشی کفالت:

محسن انسانیت ﷺ نے اس طبقہ کو اس کا صحیح مقام اس طرح دیا ہے۔"**ھل تنصرون وترزقون إلا بعضفائکم**"(۸۹)(تمھاری مدد اور تمھارے رزق کا سبب صرف تمھارے کمزور بھائی ہیں)۔

پھر اسی طرح دوسری جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"**عن ابی درداء عن النبی ﷺ. أبغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون اوتنصرون بضعفائکم**"(۹۰)(حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کمزوروں کے بارے میں میرا دل خوش کرو۔ تمھیں رزق یا مدد تمھارے کمزوروں کے سبب ملتی ہے)۔

فلاح معاشرہ کے سلسلے میں چند تجاویز

۱۔ غرباء اور بے روزگار لوگوں کے لیے ایسی طعام گاہیں قائم کی جائیں جن سے ان کی خوراک کا انتظام ہو سکے۔ تاکہ وہ خودکشی جیسے گھناؤنے فعل سے بچ سکیں۔ جیسا کہ دمشق میں تکیہ سلطان سلیم اور تکیہ شیخ محی الدین کی طعام گاہوں کے نمونے ملتے ہیں اسی طرح مغربی ممالک میں سوشل سیکورٹی کی سہولت ہے۔

۲۔ ناداروں، مسکینوں کے لیے مکانات تعمیر کرنے چاہییں جن کے پاس اتنی طاقت ہی نہیں کہ وہ اپنے مکانات تعمیر کر سکیں یا کرایہ پر لے سکیں۔

۳۔ راستوں میں عام لوگوں کے پانی پینے کے لیے رفاہ عامہ کے تحت صاف پانی پینے کا انتظام ہونا چاہیے۔

۴۔ پہاڑی علاقوں میں غرباء وعوام کے لیے بھی پانی کے استعمال کا مناسب انتظام ہونا چاہیے۔

۵۔ غریب لڑکوں لڑکیوں کی شادیوں کا انتظام بھی رفاہِ عامہ کے تحت ہو تو فلاحِ معاشرہ کی ایک اچھی کڑی ہے۔

۶۔ غریب طالب علموں کی مالی اِعانت رفاہِ عامہ کے تحت بھی ہونی چاہیے۔ بلکہ یہ کام گورنمنٹ اپنے سپرد لے۔

سویڈن اور جرمنی میں اسی وجہ سے تعلیمی نظام کافی بہتر ہے اور لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ وہاں پرائمری سے پی ایچ ڈی تک تعلیم مفت ہے۔

ہمارے ہاں بھی ایسا نظام ہو جائے کہ غریب گھرانوں کے وہ طالب علم جو پڑھائی میں بہت اچھے ہیں ان

کی تعلیم میں مدد ہو۔

۷۔ اسی طرح جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان کی رفاہِ عامہ کے تحت بھی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔معاشرے کی حد تک ہی نہیں بلکہ گورنمنٹ لیول پر بھی ان کو Appreciate کرنا چاہیے۔

۸۔ رفاہِ عامہ کے تحت ہسپتالوں کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے تاکہ غریب لوگوں کو علاج معالجے کی سہولت میسر ہو۔

۹۔ اسی طرح دینی تعلیم کا نظام بھی رفاہِ عامہ کے تحت بہتر طور پر سرانجام دینا چاہیے طلباء وعلماء دین کی ضرورتوں کو بھی مدّنظر رکھا جائے۔اور معاشرے میں انہیں شرف وتفضّل ہونا چاہیے۔

مذکورہ تمام تجاویز کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی بنیادی ضرورتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ جسے حکومت کو پورا کرنا چاہیے۔

۱۔ رہائش۔ ۲۔ لباس وخوراک

۳۔ تعلیم ۴۔ روزگار

۵۔ حادثات سے بچاؤ کا انتظام۔

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، لسان العرب (تحت مادہ، دار صادر بیروت ۱۹۹۰ء) ۲/ ۵۴۷۔

۲۔ القرآن، الشمّس: ۹۔

۳۔ القرآن، المؤمنون: ۱۔

۴۔ القرآن، آل عمران: ۱۸۵۔

۵۔ احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر القاہرہ) ۳/ ۶۹۲۔

۶۔ الاعلیٰ: ۱۴۔

۷۔ القرآن، الجمعہ: ۲۔

۸- بخاری، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء)، ص ۸۵۶ حدیث نمبر ۴۸۳۶۔

۹۔ القرآن، الکہف: ۶۔

۱۰۔ القرآن، طہٰ: ۱-۳۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیر النبویہ (مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر) ج ا ص ۱۴۰ تا ۱۴۳

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ القرآن، الانبیا: ۱۰۷۔

۱۴۔ القرآن، التوبہ: ۱۲۸۔

۱۵۔ السیرۃ الحلبیہ (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۱/ ۹۰۔

۱۶۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم (مکتبہ السّلفیہ لاہور، ۱۹۹۴ء) ص ۱۰۷۔

۱۷۔ بخاری، الجامع الصحیح ص ا، حدیث نمبر ۳۔

۱۸۔ علاؤ الدین، علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال، ۱۶/ ۱۲۸، حدیث نمبر ۴۴۱۵۴۔

۱۹۔ مشکوٰۃ، ۳/ ۲۷، حدیث نمبر ۴۹۹۸،،۔

۲۰- مسلم، الجامع الصحیح، ص ۱۱۲۹، حدیث نمبر ۲۵۸۰۔

۲۱- ایضاً۔

۲۲۔ القرآن، البقرۃ: ۱۷۷۔

۲۳۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن (دار السلام الریاض ۱۹۹۹ء، الطبعۃ الاولیٰ) ص ۶۲۰، حدیث نمبر ۲۷۳۷۔

۲۴۔ نسائی، السنن، (دار السلام اریاض ۱۹۹۹ء) ص ۵۸۶، حدیث نمبر ۴۲۰۲۔

۲۵۔ القرآن، بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴۔

۲۶۔ نسائی، السنن، ص۴۲۶، حدیث نمبر۳۱۰۶۔

۲۷۔ ترمذی، السنن، (دارالسلام ریاض ۱۹۹۹ء) ص۴۴۴ حدیث نمبر۱۸۹۹۔

۲۸۔ القرآن، بنی اسرائیل:۲۶۔

۲۹۔ ترمذی، السنن ص۱۶۸، حدیث نمبر۶۵۸۔

۳۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص۱۰۵۲، حدیث نمبر6015۔

۳۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، ص۷۹۳، حدیث نمبر۴۶۲۲۔

۳۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص۳۹۴، حدیث نمبر۲۴۴۲۔

مسلم، الجامع الصحیح، ص۱۱۲۹، حدیث نمبر۶۵۷۸۔

۳۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، ص۱۱۲۶، حدیث نمبر۶۵۵۶۔

۳۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص۹۵۶، حدیث نمبر۵۳۵۳۔

۳۵۔ ایضاً، ص نمبر۹۴۷، حدیث نمبر۲۸۹۶۔

۳۶۔ القرآن، الدھر:۸-۱۰۔

۳۷۔ القرآن، الحشر:۹۔

۳۸۔ بخاری الجامع الصحیح، ص۸۶۶، حدیث نمبر۴۸۸۹۔

۳۹۔ ایضاً، ص۴۰۷، حدیث ۲۵۱۸۔

۴۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص۱۰۸۳، حدیث نمبر۶۲۲۲۔

۴۱۔ القرآن، النساء:۱۰۔

۴۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، ص۱۲۹۰-۱۲۹۱، حدیث نمبر۷۴۶۹۔

۴۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص۱۰۵۰-۱۰۵۱، حدیث نمبر۶۰۰۵۔

۴۴۔ القرآن، الحدید:۱۱۔

۴۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص۵۸۳، حدیث نمبر۳۴۶۴۔

۴۶۔ مسلم، الجامع الصحیح، ص۶۸۴، حدیث نمبر۳۹۹۸۔

۴۷۔ القرآن، آل عمران:۹۲۔

۴۸۔ ابن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم (دارالسلام ریاض) ۱/ ۵۰۶۔

۴۹۔ ابن ماجہ المقدمہ، ص۳۴، حدیث نمبر۲۲۴۔

۵۰۔ القرآن، فاطر:۲۸۔

۵۱۔ القرآن، زمر:۹۔

۵۲۔ مستدرک حاکم (دار الکتاب العربی، بیروت) ۱/۱۰۰۔

۵۳۔ بخاری، الجامع الصحیح ،ص ۱۲۳۹، حدیث ۱۹۵۷۔

۵۴۔ الہاشمی، ڈاکٹر محمد علی اسلامی طرز زندگی، ص ۸۸۔

۵۵۔ الصحابہ، محمد بن اسماعیل بخاری، ص ۱۸۲۔

۵۶۔ ظفر، عبد الرؤف، علوم الحدیث (کتاب سرائے لاہور، ۲۰۰۶ء) ص ۱۴۲۔

۵۷۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم (دار الفکر بیروت) ۱/۱۵۱۔

۵۸۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔

۵۹۔ ایضاً، ۲/۱۴۔

۶۰۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی ﷺ ۳/۲۵۸۔

۶۱۔ بخاری، الجامع الصحیح ،ص ۸۷، حدیث نمبر ۴۵۰۔

۶۲۔ ابن ماجہ، السنن، ص ۳۷، حدیث نمبر ۲۴۲۔

۶۳۔ ترمذی، السنن، ص ۳۳۳-۳۳۴، حدیث نمبر ۱۳۷۵-۱۳۷۶۔

۶۴۔ ابوداؤد، السنن، ص ۲۴۹، حدیث نمبر ۱۶۸۱۔

۶۵۔ مسلم، الجامع الصحیح ص ۳۸، ۳۹، حدیث نمبر ۱۵۳

۶۶۔ مسلم، جامع الصحیح ،الطبعہ الاولیٰ (دار السلام الریاض ۱۹۹۹ء) ص ۶۸۱، حدیث نمبر ۴۸۱۵-۴۸۱۷۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۱۱۴۳ حدیث نمبر ۶۶۷۱۔

۶۸۔ بخاری، الجامع الصحیح ،ص ۳۷۲ حدیث نمبر ۲۳۲۰۔

۶۹۔ ترمذی، السنن، ص ۳۳۴ حدیث نمبر ۱۳۷۶۔

۷۰۔ مسلم، الجامع الصحیح ،ص ۷۰۴، حدیث نمبر ۲۳۳۳۔

۷۱۔ مشکوٰۃ، ۱/۵۲۰، حدیث نمبر ۱۸۸۷۔

۷۲۔ بخاری، الجامع الصحیح ،ص ۱۰۵۱، حدیث نمبر ۶۰۱۱۔

۷۳۔ بخاری، ص ۵، حدیث نمبر ۱۳۔

۷۴۔ بخاری، ص ۱۰۶۰، حدیث نمبر ۶۰۷۷۔

۷۵۔ ابن ماجہ، ص ۵۶۴، حدیث نمبر ۳۹۳۲۔

۷۶۔ القرآن، المائدہ: ۲۔

۷۷۔ مسلم، الجامع الصحیح ،ص ۷۰۸، حدیث نمبر ۴۱۶۱۔

۷۸۔ ترمذی، السنن، ص ۳۱۹، حدیث نمبر ۱۳۱۵۔

۷۹۔ کتانی، علامہ عبدالحیٔ دورِنبوی کا نظام حکومت (ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ لسبیلہ چوک، کراچی ۱۹۹۱ء) ص ۱۴۸۔

۸۰۔ ترمذی، السنن، ص ۲۹۹، حدیث نمبر ۱۲۳۰۔

۸۱۔ القرآن، البقرۃ: ۲۱۹۔

۸۲۔ القرآن، التوبۃ: ٦۰۔

۸۳۔ القرآن، الذاریات: ۱۹۔

۸۴۔ القرآن، التوبہ: ۱۰۳۔

۸۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۳٦۷، حدیث نمبر ۴۳۴۷۔

۸٦۔ القرآن، الحشر: ۷۔

۸۷۔ قربت کی راہیں، ص ۸۳۔

۸۸۔ المحلّی، ٦/۱۵۷۔

۸۹۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳/۱۱۸، حدیث ۵۲۳۲۔

۹۰۔ ایضاً، ۳/۱۲۰، حدیث نمبر ۵۲۴٦۔